میر علی اوسط رشک اور اصلاحِ زبان

سکالر: **محمد مقبول نثار ملک**
ڈیپارٹمنٹ آف اُردو
یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
نگران: **ڈاکٹر محمد یار گوندل**
ڈیپارٹمنٹ آف اُردو
یونی ورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

ABSTRACT

Sheikh Nasikh is generally known as the leading reformer of Urdu language. He has no proper book left behind in this regard. His reforms and corrections are narrated in his pupil's and follower's works. But his brilliant student, Mir Ali Aosat Rashk is real tourch bearer of reforms in Urdu language. In his dictionary "Nafas-ul-Lughah", he clarified many aspects, problems and disputes of Urdu grammar and language. He also gave rules of orthrography. This article has a comprehensive study of Mir Ali Aosat Rashk's language reforms.

ناسخ کے شاگردوں میں رشک کا نام شاعری کے حوالے سے ہی نہیں، اصلاحِ زبان کے حوالے سے بھی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ نظم ونثر کے نئے رجحان کو متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ زبان کو ایک تحریک کی شکل دینے میں بھی سرگرمِ عمل رہے ہیں۔ فیض آباد میں پیدا ہونے والے علی اوسط رشک نوابانِ اودھ کے بہت قریب تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی خاندانی شرافت کی وجہ سے انھیں نوجوانی ہی میں بہو بیگم (والدہ نواب آصف الدولہ) کی سرکار سے وابستہ کر لیا گیا تھا۔ بہو بیگم کے وصال کے بعد فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ چلے آئے اور یہاں میر خلیق کے مشورے سے شاعری میں ناسخ کی شاگردی اختیار کرتے ہوئے فنِ شعر، علمِ عروض اور فنِ لُغت پر مہارت حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا اور بہت جلد لکھنؤ کے صفِ اول کے شعرا میں شمار ہونے لگے۔ اُنھوں نے ایک لغت ''نفس اللغہ'' [۱] اور تین دواوین یادگار چھوڑے ہیں۔

لکھنؤ میں اصلاحِ زبان کی تحریک کے بانی کی حیثیت سے بالعموم شیخ ناسخ کا نام لیا جاتا ہے، لیکن تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ناسخ کو بعض وجوہ کی بنا پر ایک افسانوی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ حقائق یہ بتاتے ہیں کہ ناسخ ترجمانِ سخنِ نو اور صاحبِ اسلوب زیادہ اور مصلحِ زبان کم ہیں۔ ان کا اسلوبِ زبان اور اندازِ شاعری ایک رچی ہوئی فارسی آمیز صناعی

سے بھرپور قدرے غیر فطری انداز لیے ہوئے ہے۔ مصحفی نے بھی اپنے دیوانِ ششم میں یہی لکھا ہے کہ ''ناسخ نے سادہ گوئی پر خطِ نسخ کھینچ دیا ہے اور نئے شاعرانہ انداز کو اختیار کیا ہے''[۲] جہاں تک اصلاحِ زبان کا تعلق ہے، اس کی صورت گری ہمیں میر علی اوسط رشکؔ کے ہاں نظر آتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ رشکؔ نے اصلاحِ زبان کے اصول اپنے اُستاد ناسخؔ کی ہدایات کی روشنی میں وضع کیے تھے لیکن خود ناسخؔ کے کلام میں رشکؔ کے وہ اصلاحی ضوابط، (جن کا ناتا شیخ صاحب سے جوڑا جاتا ہے) کہیں نظر نہیں آتے۔ علاوہ ازیں جہاں ناسخ نے اپنی زبان سے ہندی لفظوں کو نکال کر وہاں عربی/ فارسی لفظوں کے استعمال سے حدِ اعتدال سے تجاوز کیا، وہاں رشکؔ کی زبان میں ہندی الفاظ اعتدال کے ساتھ شاملِ زبان ہیں۔ تحقیقی حقائق اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ناسخؔ کے بعد لکھنؤ میں اصلاحِ زبان کی جو تحریک سامنے آئی، قواعدِ زبان کے جو نئے اصول متعارف کروائے گئے اور متروکات کی مباحث کا جو سلسلہ چلا، اس کا تعلق رشکؔ کے آخری عہد سے ہے، جسے تقلیدی روش یا غلط فہمیوں کے بنا پر بالواسطہ طور پر ناسخؔ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ مولانا محمد حسین آزادؔ نے بھی اپنے تذکرے ''آبِ حیات'' میں یہی بات لکھی ہے۔ یعنی:

''ان لوگوں نے اور ان کے بعض ہم عصروں نے زبان کے باب میں اکثر قیدیں واجب سمجھی تھیں کہ دِلی کے مستند لوگوں نے بھی اِن میں سے بعض بعض باتوں کی رعایت اختیار کی اور بعض میں اختلاف کرتے تھے اور عام لوگ خیال بھی نہ کرتے تھے مگر اصلی واضع اِن قوانین کے میر علی اوسط رشک تھے۔''[۳]

رشید حسن خان نے بھی ''انتخابِ کلامِ ناسخ'' میں مولانا آزاد سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ متاخرین کے یہاں قواعدِ شاعری اور متروکات کی جو طویل بحثیں ملتی ہیں وہ رشکؔ کے آخری عہد کی پیداوار ہیں۔ ناسخ و آتش سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔''[۴]

شوق نیموی نے بھی اصل مُصلحِ زبان رشک کو ہی قرار دیا ہے، تاہم اُنھوں نے رشکؔ کی اصلاحات زبان پر تنقید کرتے ہوئے ان کی کئی خامیوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ رشکؔ نے اس کام کا بیڑا اپنی آخری عمر میں اٹھایا تھا۔ کلبِ حسین نادر نے یہی بات کہی ہے اور شوقؔ نیموی نے بھی متروکات کے ذیل میں اس کی صراحت کی ہے۔ چناں چہ وہ رسالہ ''اصلاح'' میں لکھتے ہیں۔

''خصوصاً میر علی اوسط رشکؔ (مرحوم) نے بہت سے الفاظ متروک کیے، جن سے ان کا تیسرا دیوان، جو اب تک چھپا نہیں ہے، پاک ہے۔ متروکات کے باب میں اکثر لوگ رشکؔ (مرحوم) کے مقلد ہیں۔''[۵]

اصلاحِ زبان اور قواعدِ اُردو کے حوالے سے رشک کی کتاب ''نفس اُللغہ'' نے اُس دور کے لکھنؤ کی زبان میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ کہنے کو تو یہ ایک لُغت ہے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اس میں اُردو کے بہت سے قواعد اور اصلاحات بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب ایک طرف اپنے دور کی زبان کے بارے میں معلومات مہیا کرتی ہے، دوسری طرف اُن تبدیلیوں کی بھی نشان دہی کرتی ہے جو رشکؔ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اِس میں استعمال ہونے والے لفظوں، محاوروں اور روزمروں کو رشکؔ نے اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ اس میں لفظوں کے بعض ایسے اِملا بھی نظر آتے ہیں۔ جنھیں رشکؔ نے پہلی بار متعارف کرایا ہے۔ اس میں لفظوں کی تذکیر و تانیث کی وضاحت کا التزام بھی ہے اور اصل زبان کا حوالہ بھی۔ یوں اسے اپنے دور کی ایک اہم

لُغت قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن رشکؔ نے اس میں سے لفظوں، محاوروں اور زبان کے قاعدوں کی تشریح اور وضاحت فارسی زبان میں کی ہے، یوں اصلاح و جدت کے علم بردار اپنے دور کی روایت سے پیچھا نہ چھڑا سکے۔ نشتر کا کوروی اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''نفس اللغہ'' میں رشک نے وہ الفاظ جمع کیے ہیں جو عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن شاعری میں ان کے زمانے میں استعمال نہیں ہورہے تھے۔ رشکؔ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ وہ ترکیبیں، الفاظ و محاورات جو بول چال میں لطف دیتے ہیں، نظم میں بھی مستعمل ہوں۔'' [۶]

اُردو زبان کی صفائی اور سُتھرائی (جسے عام طور پر اصلاحِ زبان کہا جاتا ہے) کے سلسلے میں رشکؔ کے اہم اقدامات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

☆ ناسخؔ نے اپنی شاعری میں ہندی کے بہت سے لفظوں کے استعمال سے اجتناب کیا تھا لیکن شاگردِ ناسخؔ، رشکؔ نے اس سلسلے میں اعتدال و توازن کا راستہ اختیار کیا۔ اُنھوں نے بہت سے ایسے ہندی الفاظ دوبارہ شاعری کی زبان کا حصہ بنائے جنھیں ناسخ ترک کر چکے تھے۔ یہ عمل رشکؔ کی اُن کوششوں کا حصہ ہے جو بعض حلقوں کی طرف سے ناسخ پر اعتراضات کے بعد بروئے کار لائی گئیں۔ اُنھوں نے جن لُغات اور محاورات کو دوبارہ اُردو شاعری اور زبان کا حصہ بنایا، وہ دہلی اور لکھنؤ کی عام بول چال کا حصہ تھے اور آج بھی اُردو میں مستعمل ہیں؛ جیسے:

دھڑکا لگنا، دوڑ دھوپ، گُل ہونا، رت جگا، بھاڑ میں جانا، آٹھ آٹھ آنسوں رونا، ہاتھوں کے طوطے اُڑنا، چال ڈھال، چٹکیوں میں اُڑانا، اندھیر مچانا، ٹل جانا، آنکھ مچولی، بیڑا اٹھانا، حال پتلا ہونا، مُنہ کی کھانا، دِل چُرانا، چوکڑی بھولنا، ناخن لینا وغیرہ۔

☆ اُردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ شروع ہی سے اہلِ زبان اور دوسروں کو درپیش رہا ہے۔ ناسخؔ نے اسے اہلِ زبان فُصحا کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا؛ لیکن رشک نے الفاظ، اِسما اور افعال کی تذکیر و تانیث کا تعیّن کیا اور ''نفس اللُغہ'' میں ہر لفظ کے مفہوم کے ساتھ ساتھ اس کی تذکیر و تانیث بھی واضح کر دی۔ اگر چہ اِن کے اِس اقدام کے بعد بھی دہلی اور لکھنؤ کے درمیان یہ مسئلہ سر اُٹھاتا رہا لیکن لکھنؤ کی حد تک اس سلسلے میں پائے جانے والے اختلافات کو بڑی حد تک دُور کر دیا گیا۔

☆ رشکؔ کی اصلاحاتِ زبان کو اس لیے بھی مُستند قرار دیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے اِنھیں ''نفس اللُغہ'' میں صراحت کے ساتھ رقم کر دیا تھا۔ اُنھوں نے لُغت کی اس کتاب میں زبان کے بعض قواعد کا تعیّن کرتے ہوئے بعض بنیادی اصولوں کو آئندہ کے لیے طے کر دیا۔ اس قسم کے قواعد اور اصول ہمیں ''دریائے لطافت'' کے بعد صرف اِس لُغت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً لفظ ''بھوننا'' کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ اُردو میں جہاں کہیں دو حرف ایسے آئیں جو ہم جنس ہوں اور اس طریقے سے کہ پہلا اور دوسرا ہم جنس ہو؛ جیسے: ''ماننا اور چھاننا'' تو ایسی جگہ صرف ایک حرف پر اکتفا کر کے تشدید لگا دینا غلط ہے بلکہ اِس طرح لکھیں جس طرح یہ الفاظ یہاں لکھے گئے ہیں اور اگر دو یک جنس حروف ایک لفظ میں ہوں تو ایک حرف پر ہی اکتفا کرنا چاہیے؛ جیسے: بلّی، لِلّو، کُتّا، کوّا وغیرہ۔'' [۷]

☆ اعلانِ نُون کے سلسلے میں رشکؔ کا کہنا ہے کہ اِن کے اُستاد ناسخؔ کی یہ ہدایات ہیں کہ ایسا لفظ جس کا آخری

حرف ''نون'' ہوتو شاعری میں استعمال کرتے ہوئے ''نون'' کا اعلان کیا جائے؛ جیسے: ایمان، جان، جوان، دہقان وغیرہ، لیکن یہ مرکب ہو، ترکیبِ اضافی ہو ہو یا حرفِ عطف سے جڑا ہوا ہو تو اعلانِ نون نہ کیا جائے جیسے نالہ وفغاں، چاکِ گریباں، جانِ جاں، زمین وآسماں وغیرہ۔ رشک کے اس دعوے کے باوجود جب ہم اس کی پابندی ناسخ کے کلام میں نہیں پائے اور رشکؔ کے کلام بالخصوص دیوان سوم میں اس کا اہتمام پاتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ اصلاح یا قاعدہ ناسخ کا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق رشک کے آخری دور سے ہے۔

☆ اُردو کے ایسے الفاظ جنھیں تشدید کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے اُٹھا، چکّھا، رکھا، لکّھا وغیرہ کے بارے میں رشک نے زیادہ زور دیا ہے کہ انھیں تشدید کے بغیر قطعاً استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اصلاح کے اِس عمل کو بھی بالعموم ناسخ کی اصلاحات میں شامل کیا جاتا ہے لیکن تحقیقی مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے متحرک و مُصلح بھی رشک ہیں کیوں کہ ناسخ کے کلام میں اس کا اہتمام نظر نہیں آتا جب کہ رشک کے ہاں اس کا اہتمام دکھائی دیتا ہے۔ خود رشک کے ہاں بھی بعض مقامات پر اس کی خلاف ورزی نظر آجاتی ہے؛ جیسے:

خاک مرے سرِ شوریدہ پہ افسر ہوتا
نہ لکھا تھا جو مقدر کا وُہ کیوں کر ہوتا

تشدید کے اِس عمل کی باقاعدہ پابندی اُس دور میں دہلی میں نظر نہیں آتی، خصوصاً شاعری میں کبھی اس کا اہتمام کرلیا جاتا تھا، کبھی نہیں کیا جاتا تھا، لیکن رشکؔ کی تاکید اور اپنے کلام میں اس کی پابندی سے لکھنؤ میں بالعموم اس کا اہتمام کیا جانے لگا تھا۔

☆ بہت سے متروکات جو بالعموم ناسخ سے منسوب ہیں، وُہ ناسخ کے ہاں تو تواتر سے دکھائی دیتے ہیں لیکن رشک کے کلام بالخصوص تیسرے دیوان میں دکھائی نہیں دیتے۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اصل تارک رشکؔ ہیں۔ رشکؔ نے جہاں ہندی کے بہت سے متروک الفاظ کو دوبارہ اُردو کا حصّہ بنایا، وہاں اُردو زبان کے مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والے بہت سے لفظوں کو متروک بھی کیا۔ اُنھوں نے یہ عمل خدمتِ زبان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مکمل غیر جانبداری سے کیا، اِس لیے اِن متروکات پر بالعموم عمل بھی ہوا۔ محمد حسین آزاد نے بھی اپنے تذکرے ''آبِ حیات'' میں یہی لکھا ہے۔

''اصل واضع اِن قوانین (متروکات وغیرہ) کے میر علی اوسط رشکؔ تھے۔ چنانچہ کچھ الفاظ نمونے کے طور پر لکھنے ضروری ہیں۔ مثلاً فرماتے تھے کہ یہاں، وہاں بروزن ''جاں'' نہ ہوں، بروزن ''جہاں'' ہوں لیکن تعجب ہے کہ شیخ صاحب (ناسخ) اور خواجہ صاحب (آتش) کوئی اس کے پابند نہ تھے۔'' [۸]

یہی حال لفظ ''تلک'' کا ہے جو نادؔر کے بقول رشکؔ نے ترک کیا ہے۔ [۹]

اسی طرح ''سمیت''، اوپر (پر کی بجائے)، زور (بمعنی عجیب، بہت)، ''اور'' (بمعنی طرف، جانب)، ''سُو'' (بمعنی اس لیے، تو)، ''بن'' (بغیر)، ''نِت'' (ہمیشہ)، ''ٹک'' (ذرا۔ کچھ)، ''گر'' (اگر)، ''بیچ'' (درمیان)، ''عرصہ'' (زمانہ۔ وقفہ) بھی رشکؔ کے متروکات میں شامل ہیں۔

☆ فعل کو مکرّر لانے میں اہلِ لکھنؤ اور اہلِ دہلی کے ہاں جو اختلاف ہے۔ اِس میں ناسخؔ سے زیادہ رشکؔ کا ہاتھ ہے

اور رشکؔ کے اختلاف کا مُثبت پہلو یہ ہے کہ اس کے پیچھے اِن کا اصولی نقطہ نظر ہے۔ دہلی میں ان مکرّر افعال کا استعمال اس طرح تھا۔ ''دیکھ دیکھ''، ''سُن سن''، ''رورو'' لیکن رشکؔ نے اس کے لیے یہ اصول وضع کیا کہ ایسی صورت میں دوسرے مکرّر فعل کے بعد ''کر'' لگانا ضروری ہے؛ جیسے: ''دیکھ دیکھ کر''، ''سُن سن کر''، ''رورو کر''۔ آگے چل کر یہی انداز مُستند ٹھہرا اور آج یہی طریقہ رائج ہے۔

☆ رشکؔ نے صحتِ زبان کا جو علم اُٹھایا تھا۔ اس میں معیارِ تلفظ کو خاص اہمیت دی گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے ایک پُرانے دیوان کو محض اس وجہ سے قابلِ اصلاح قرار دے کر ترک کیا کہ اس میں بعض لفظوں کا اِملا ان کے نئے نظامِ اِملا سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ ان کا نظامِ اِملا کا معیار بعض صورتوں میں آج کے نظام سے مختلف تھا لیکن وہ اپنے دور کے لحاظ سے ترقی یافتہ تھا۔ مثلاً ان کے ہاں ''سوئے در'' کے بجائے ''سُو در''، تیار کے بجائے ''طیار''، نشہ کے بجائے ''نشاہ'' کے تلفظ ملتے ہیں۔ ان کے ہاں دوچشمی ''ھ'' کا استعمال کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ''آنکھ'' کو ''آنکہ''، ''بُدھ'' کو ''بُدہ''، ''سُکھ'' کو ''سُکہ''، ''مُجھ'' کو ''مُجہ''، ''گھاس'' کو ''گہاس'' لکھتے تھے۔ اس طرح بعض لفظوں میں وُہ پیش '' ُ '' کے بجائے ''واؤ'' کا استعمال کرتے تھے؛ جیسے: اُوس (اُس)، اوٹھانا (اُٹھانا)، اوداس (اُداس)، بھولانا (بُھلانا)، دولانا (دُلانا) وغیرہ۔ علاوہ ازیں، رشک کے نظامِ اِملا میں دو لفظوں کو ملا کر لکھنے کی بجائے علاحدہ علاحدہ لکھنے کا طریقہ نظر آتا ہے؛ جیسے: ''آبجُو'' کے بجائے ''آب جُو''، ''رہگزر'' کے بجائے ''رہ گزر''، ''دلچسپ'' کے بجائے ''دِل چسپ'' وغیرہ۔ آج کا ترقی یافتہ معیار بھی یہی ہے۔

☆ عربی/ فارسی کے وہ الفاظ جو ''ہ'' پر ختم ہوتے ہیں۔ اِنھیں ''الف'' پر ختم کرنے کی بحث آرزوؔ اور حاتمؔ کے دور سے چلی آ رہی تھی۔ ناسخ نے انھیں متعلقہ زبانوں کے طریقہ کار کے مطابق لکھنے کی تاکید کی تھی؛ لیکن رشکؔ نے زبان کی جو اصطلاحات متعارف کروائیں، اُن کے تحت اِنھیں ''الف'، پر ختم کر کے لکھنا ضروری قرار دیا؛ جیسے: پردا (پردہ)، دیوانا (دیوانہ)، زلزلا (زلزلہ)، تکیا (تکیہ)، فائدا (فائدہ)، عیسا (عیسیٰ)، مُوسا (مُوسیٰ) وغیرہ۔ آج اُردو کا اِملائی نظام اسی طرف پلٹ رہا ہے۔

رشکؔ کی درج بالا اصطلاحاتِ زبان کا جائزہ لیا جائے تو وُہ اس راستے سے ہٹی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جو اُن کے اُستاد شیخ امام بخش ناسخؔ نے اختیار کیا تھا۔

میر علی اوسط رشکؔ وُہ شخصیت ہیں؛ جو لکھنؤ کی اصلاحِ زبان کی تحریک کے حقیقی رُوحِ رواں ہیں۔ اُن کی اُس دور کے لکھنؤ میں جو اہمیت اور احترام تھا، اُس سے اُن کی زبان کے متوازن انداز کو پھلنے پھُولنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اُن کی تصنیف ''نفس اللُغہ'' نے زبان کے حوالے سے دو سطحوں پر کام کیا، لُغت تو یہ تھی ہی، رشک نے زبان کے بارے میں اپنی اصلاحات کے لیے بھی اِس سے کام لیا۔ لفظ کے ماخذ، تلفظ کی تخصیص، تذکیر و تانیث اور اِملا کے مسائل و تنازعات کو حل کرنے میں بھی اس نے کردار ادا کیا، نیز لُغت نویسی کے سلسلے میں اِس نے آنے والے دور کے لیے ایک رجحان وضع کیا۔

رشک کے قواعدِ زبان اور عملِ متروکات پر کچھ حلقوں کی طرف سے اعتراضات بھی سامنے آئے ہیں۔ اِن میں اُن کے اپنے دور کے ماہرِ زبان اور نقاد شوقؔ نیموی اور رشید حسن خان قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے اعتراضات درج ذیل ہیں۔

۱۔ رشکؔ نے جو اصلاحیں ناسخؔ سے منسوب کی ہیں، وُہ حقائق سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

۲۔ رشکؔ کے اپنے کلام میں اُن کے اصولوں کی پاسداری نہیں ملتی۔

۳۔ متروکاتِ زبان کا حکمیہ اخراج ارتقائے زبان کے فطری اصولوں کے منافی ہے۔

۴۔ نفس اللُغہ کے بعض قواعد؛ زبان کے مُسلمہ اصولوں کے منافی ہیں اور اِس ضمن میں سخنورانِ دہلی کا طریقہ کار زیادہ فطری اور موزوں ہے۔

ناقدین کے اِن اعتراضات میں وزن بھی ہے اور صداقت بھی، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رشکؔ نے اپنی زبان کی بہتری اور صفائی کے لیے زندگی کا بڑا حصہ وقف کیا۔ اُنھوں نے یہ کام کسی صِلے کی توقع کے بغیر بے لوث ہو کر کیا اور اپنی کوششوں میں اہلِ لکھنؤ کا اعتماد حاصل کیا۔ اگر آج کا محقق ناسخؔ اور رشکؔ کی اصلاحاتِ زبان کا موازنہ کرے گا تو وہ رشکؔ کو ناسخ پر ترجیح دے گا؛ کیوں کہ ناسخ کی اصلاحات کی بنیاد سُنی سنائی باتوں اور غیر مستند روایات پر ہے جب کہ رشک کے کام کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ میر علی اوسط رشکؔ: ''نفس اللُغہ''، مرتبہ نشتر کاکوروی، نیرّ پریس لکھنؤ: ۱۲۶۳ھ۔

۲۔ غلام ہمدانی مصحفی کا دیوانِ ششم: مرتبہ نور الحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، (طبع دوم)، ۱۹۹۲ء (دیباچہ دیوانِ ششم بہ زبان فارسی از مصحفی)۔

۳۔ محمد حسین آزاد، ''آبِ حیات''، خزینۂ علم وادب، اُردو بازار لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۳۸۵۔

۴۔ ''انتخابِ کلامِ ناسخؔ''، مدون رشید حسن خان، انجمن ترقئ اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۲۷۔

۵۔ شوق نیموی: حاشیہ رسالہ ''اصلاح''، مطبوعہ ۱۸۹۳ء، ص ۱۱۔

۶۔ میر علی اوسط رشکؔ: ''نفس اللُغہ''، محولہ بالا ۱، ص ۳۔

۷۔ ایضاً: ص ۸۶۔

۸۔ محمد حسین آزادؔ: ''آبِ حیات''، محولہ بالا ۳، ص ۳۳۰۔

۹۔ ''انتخابِ کلامِ ناسخؔ''، مدون رشید حسن خان: محولہ بالا ۴، ص ۷۵۔